السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

تسبیح کے دانوں پر ذکر اذکار کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین محمد واله واصحابه اجمعین۔۔۔۔۔اما بعد!

تسبیح کے ساتھ اذکار واوراد کو گننے کے متعلق مجھے ہمارے دوست کرم فرما علامہ ابو محمود اللہ بخش صاحبؒ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کے تنقیدی مضموں کی طرف توجہ دلائی۔ جیسا کہ علامہ البانی نے اسی مضمون (جو سلسلہ احادیث صحیحہ) میں لکھا ہے جس میں انھوں نے تحقیق سے کام نہیں لیا ہے بلکہ بیجا تنقید سے کام لے کر سبیح سے اذکار گننے کو بدعت قرار دیا ہے اس لیے اپنے دوست عزیز ترین حضرت مولانا موصوف کے ایماء پر چند اوراق اس کے قلمبند کر رہا ہوں بعد میں اصل مسئلہ کے متعلق عرض رکھوں گا۔ بعون العلام وہو یہدی لتحقیق الکلام وہو حسبی ونعم الوکیل!

’’فاقول وله استعین (اخطا العلامه (البانی) فی الکتاب المذکور_‘‘

(۱)۔۔۔علامہ صاحب مذکورہ کتاب کے صحہ نمبر ۱۱۲ رقم الحدیث نمبر ۸۳ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اثر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (وسندہ ٗالی الصلة صحیح) وہو ثقة من اتباع التابعین (سطر نمبر ۵) تعجب تو یہ ہے کہ جب صلت بن بہرام اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے جیسا کہ خود علامہ صاحب نے لکھا ہے کہ وہ اتبع التابعین میں سے ہیں لہٰذا ان کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملنا ناممکن ہے لہٰذا یہ روایت منقطع ہوئی اور منقطع روایت بھی ضعیف روایات کی اقسام میں سے ہے پھر ایسی ضعیف روایات کو میدان استدلال میں لانا علامہ جیسے محقق کو قطعا مناسب نہیں ہے تعجب تو اس بات پر ہے کہ اس واضح ضعف کے باوجود علامہ صاحب اس کو جزما ویقینا حجت ودلیل لینے کے قابل تصور کرتے ہیں۔

اس کے دو صفحے آگے لکھتے ہیں:

((ولو کان ذالک مما اقرہ النبی ﷺ لما خفی علی ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔))

یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کو صحیح تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ اثر ضعیف ہے لہٰذا اس سے دلیل لینا کس طرح درست ہوگا؟

(۲)۔۔۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت ہے کہ وہ صحابی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک عورت کے گھر گئے جس کے آگے گٹھلیاں یا چھوٹی چھوٹی کنکریاں رکھی ہوئی تھیں الحدیث۔

اس حدیث کو بھی لا کر علامہ البانیؒ نے علتیں پیش کی ہیں ایک تو اس کی سند میں خزیمہ راوی غیر معروف ہے اس کے متعلقین اولا یہ گذارش ہے کہ مستدرک حاکم میں سعید بن ابی ہلال اور عائشہ بنت سعد کے درمیان خزیمہ کا واسطہ نہیں ہے۔ (دیکھئے مستدرک الحاکم: ج ۱، ص ۵٤۸)

جبکہ حاکم کی روایت میں غیر معروف راوی ہے ہی نہیں تو پھر حاکم کا اس کو صحیح کہنا اور حافظ ذہبی کی موافقت بالکل صحیح ہے علامہ صاحب کا اس پر اعتراض کرنا بالکل بے جا ہے۔

ملحوظہ:۔۔۔سعید بن ابی ہلال مدلس بھی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ حاکم کی روایت میں اس نے تدلیس کی ہے اور خزیمہ کا واسطہ گرایا ہے مطلب کہ یہ راوی ثقہ ہے مدلس بھی نہیں ہے۔ عائشہ بنت سعد سے اس کا سماع ممکن ہے، لہٰذا یہ روایت صحیح ہے۔

ثانیا علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

((سعد بن ابی ہلال مع ثقتہ حکی الساجی عن احمد انہ اختلط فانی الحدیث الصحة وا الحسن۔))

یہ بات علامہ صاحب نے عجیب لکھی ہے سعید بن ابی ہلال ثقہ ہے اور جماعت نے ان سے حجت لی ہے۔ بخاری، مسلم وجمیع صحاح ستہ وغیرہا کے مصنفین نے ان سے احتجاج کیا ہے۔ ایسے راوی کے نام ساجی کی حکایت نقل کر کے اس کی تضعیف کا اظہار انتہائی تہتک وتصرف ہے سب کو پتہ ہے کہ امام بخاری جس راوی سے حجت لیں، یعنی اس راوی کی روایت کو اصولا واحتجاجا نہ کہ تبعا واستشہادا ذکر کریں وہ راوی بالکل ثقہ ہوتا ہے اور سعید بن ابی ہلال بھی ایسے راویوں میں سے ہے۔

لہٰذا علامہ صاحب کا یہ قول ساقط ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری مع تحقیق ابن باز رحمۃ اللہ علیہ ص ٤۰٦ میں تحریر فرماتے ہیں:

((سعید بن اَبی ہلال اللیثی ابو العلاء المصری اصلہ من المدینہ و نشا بہا ثم سکن مصر و ثقہ ابن سعد و العقیلی و ابو حاتم و ابن خزیمہ و الدار قطنی و آخرون و شذ الباجی فذکرہ فی الضعفاء و نقل عن احمد بن حنبل اَنہ قال ما ادری اَی شئی حدیثہ یخلط فی الاَحادیث و کیع ابو محمد بن حزم الباجی و ضعف سعید بن اَبی ہلال مطلقا و لم یصب فی ذالک واللہ اَعلم اِحتج بہٖ الجماعۃ۔))

اس اقتباس میں دیکھو معلوم ہوگا کہ ابو حاتم جیسے متشدد نے بھی اس کی توثیق بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ التہذیب میں فرماتے ہیں کہ ''صدوق لم اَر لابن حزم فی تضعیفہ سلفا الا ان الساجی حکی عن احمد اَنہ اختلط '' تہذیب التہذیب' جلد ٤، صفحہ ٨٣.

لیکن ساجی کے نقل و حکایت میں نظر ہے، کیونکہ ساجی نے اس نقل کے ناقل اور حکایت کے حاکی کا نام نہیں لیا ہے۔ لہذا یہ معلوم نہیں ہے کہ امام احمد سے یہ کس نے سنا ہے۔ لہذا ایسی غیر معتمد جرح کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے جب کہ اس کو ماہر فن مؤثق قرار دے چکے ہیں۔

خصوصا اس صورت میں کہ امام محدثین بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احتجاج کیا ہے۔ لہذا یہ راوی (جاوز القنطرہ) کے مصداق ہے۔

علاوہ ازیں علامہ صاحب کی ترمذی کی تحسین پر اعتراض بھی منظور کیا ہے اس لیے کہ خزیمہ کے متعلق حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے (لا یعرف) لکھا ہے لہذا یہ مجہول الحال ہوا نہ کہ مجہول ہے اس صورت میں جو روایت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے ہے جس کی سند میں ہاشم بن سعید ہے اس سے قوت حاصل کر کے حسن لغیرہ تک پہنچ جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہاشم کے متعلق حافظ صاحب نے (ضعیف) لکھا ہے یہ لفظ جرح شدید میں سے نہیں ہے۔ لہذا یہ اس روایت میں تقویت کا باعث بن سکتا ہے، لہذا ترمذی اگرچہ متساہلین میں لکھے جاتے ہیں لیکن یہاں پر ان کی تحسین ہے حسن لغیرہ حدیث کو اگرچہ کچھ محدثین مطلق حجت سمجھتے ہیں۔ (بشرط ہے کہ وہ بھی صحیح یا حسن لذاتہ کی مخالف نہ ہو) لیکن مجھے ان محدثین کی بات ٹھیک نظر آتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ حسن لغیرہ عقائد یا احکام مثلا حلال و حرام فرائض و واجبات کے باب سے نہ ہو تو وہ بیشک (صحیح سے مخالف نہ ہونے کی صورت میں) معتبر ہے۔

(کما ذکرہ' الحافظ فی النکت)

اور یہ حدیث جو حصی وغیرہ سے گننے کے بارے میں ہے وہ بھی فرائض و واجبات یا حلال و حرام یا عقائد کے باب سے نہیں ہے بلکہ یہ محض کسی ثابت شدہ بات کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ ہے ایسی باتوں کے اثبات کے لیے حسن لغیرہ بالکل کافی ہے ورنہ دوسری صورت میں حسن لغیرہ روایت کو اصول حدیث سے بالکل خارج کر دینا چاہئے۔ بہر حال یہ حدیث حسن لغیرہ ہے لہذا امام ترمذی کی تحسین محل نہیں بلکہ علامہ صاحب کا مؤاخذہ بھی محل نظر ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کرتے ہوئے اس پر کلام کرتے ہوئے علامہ صاحب نے ایک تو ہاشم بن سعید پر کلام کیا ہے جس کے متعلق پہلے عرض کر چکے ہیں دوسرا راوی کنانہ ہے جس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''مجہول الحال یوثق غیر ابن حبان'' حالانکہ اس طرح نہیں ہے بلکہ نیچے خود علامہ صاحب نوٹ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ذہبی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ (وثق) باقی اس کو تضعیف کی طرف اشارہ کہنا یہ علامہ صاحب کا بے جا تشدد ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ کے متعلق بھی علامہ صاحب کا لکھنا کہ اس کی تقریب میں اس کے (لین الحدیث) ہونے کا اشارہ کیا گیا ہے یہ قطعا صحیح نہیں ہے۔ حافظ صاحب نے ان کے متعلق مطلقا (لین الحدیث) نہیں لکھا ہے تقریب موجود ہے ملاحظہ کریں۔

((کنانہ مولی صفیہ مقبول ضعفہ الاَزدی بلا حجۃ)) تقریب التہذیب: صفحہ 431 طبع نشر السنۃ لاہور

اس سے ظاہر ہوا کہ اس راوی کی صرف ازدی نے بلا حجت تضعیف کی ہے ورنہ واقعتا وہ مقبول ہے اور لفاظ مقبول کے متعلق حافظ صاحب نے مقدمہ میں وضاحت کی ہے کہ ایسا راوی جس کے متعلق مقبول کہوں اور اس کی کہیں پر مطابقت نہ ہو تو وہ لین الحدیث ہے۔ لیکن یہاں پر تو اس کی پہلی روایت کے ساتھ مطابقت بھی ہے لہذا وہ صحیح معنی میں مقبول ہے نہ کہ لین الحدیث۔

بہر حال علامہ صاحب کا ان کے متعلق یہ کہنا کہ حافظ صاحب نے اس کے لین الحدیث ہونے پر اشارہ کیا ہے وہ اس وقت صحیح ہوتا جب اس کی مطابعت نہ ہوتی لیکن جب مطابعت موجود ہے تو وہ مقبول ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس کے متعلق (وثقہ 9 کہا ہے، اس لیے صرف ابن حبان کی توثیق نہیں رہی بلکہ حافظ ذہبی نے بھی اس کی تائید کی ہے، لہذا وہ مجہول الحال نہیں رہا۔

(٢)۔۔۔حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت کے لکھنے کے بعد علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

((قول ہذا الحدیث الصحیح علی اَمرین الاول اَن صاحبۃ القصۃ ہی جویریہ لا صفیۃ کما فی الحدیث الثانی))

یہ بھی نہایت ہی عجیب بات ہے کیوں کہ اس کی سند دوسری اور اس کی سند دوسری یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے اور وہ کنانہ عن صفیۃ ہے اور دونوں کو ایک بنا کر یہ کہنا کہ صاحب القصۃ جویریہ رضی اللہ عنہ ہے نہ کہ صفیۃ یہ تو سینہ زوری ہوئی۔ یہ بات محدثین کرام اس وقت قبول

کریں گے جب مخرج ایک ہو یہاں مخرج ایک نہیں ہے۔ لہذا دونوں کو ایک بنا کر پھر صحیح روایت کی سند لے کر یہ کہنا کہ صاحبۃ القصہ جویریہ ہیں نہ کہ صفیہ یہ تو ایک نئے اصول کی ایجاد ہوئی جس کا مسلم اصول الحدیث میں کوئی پتہ نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ: ((الثانی اَنہ ذکر الحصی فی القصۃ منکر))

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کیوں علامہ صاحب جیسا محقق اتنی بڑی تکلیف و تعسیف بلکہ تعصب کا ارتکاب کر رہے ہیں جب کہ دونوں حدیثیں ایک بھی نہیں ہیں دونوں کے مخرج الگ الگ ہیں تو پھر اگر ایک حدیث میں کسی بات کا ذکر نہیں ہے تو پھر اس سے یہ کس طرح لازم آتا ہے کہ جس بات یا امر کا ذکر دوسری حدیث میں ہے وہ بھی ذکر ہے؟

علاوہ ازیں حصی کے ذکر کے لیے صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہی روایت نہیں ہے بلکہ دوسری روایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ والی بھی ہے جو امام ترمذی کے طرق سے حسن لغیرہ اور حاکم کی روایت سے صحیح ہے جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ بہر حال ان دونوں حدیثوں میں سے (جن میں سے ایک صحیح ہے) میں حصی کا موجود ہونا معلوم ہوا لہذا اگر دوسری روایت میں جو دوسری صحابیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں اس کا ذکر نہیں ہے تو اس کا ان حدیثوں پر کیسے اثر ہوگا؟

(٥):۔۔۔ آگے علامہ فرماتے ہیں کہ:

((ولوکان ذالک مما اقرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم))

خفی علی ابن مسعود ان شاء اللہ یہ بھی عجیب العجب ہے۔ افسوس! علامہ صاحب کے ذہن سے وہ ساری حقیقتیں غائب ہو چکی ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جلالت قدر کے باوجود کتنی ہی باتیں مخفی رہیں اور ان سے نسیان ہو گیا۔ دیکھئے رکوع میں تطبیق وغیرہ یہ حدیث صحاح وغیرہ میں موجود ہے۔ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رکوع کی ہیئت جیسا مسئلہ مخفی رہ سکتا ہے۔ حالانکہ رکوع کا تعلق نماز سے ہے جو کم از کم پانچ دفعہ تو دن ورات میں ہر مسلمان ادا کرتا ہے۔ کیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیشہ باجماعت نماز ادا نہیں کرتے تھے، اس کا جواب ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی یقینا نبی ﷺ کے ساتھ باجماعت ہی نماز پڑھتے ہوں گے تو پھر جب پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کے باوجود ان سے رکوع کی ہیئت مخفی رہی حتی کہ نبی ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد بھی وہ اس تطبیق پر عامل رہا۔ تو کیا ان سے وہ معاملہ جو صحابیات رضی اللہ عنہا یا کسی محرمات مطہرات سے پیش آیا ہو اور وہ اس وقت (برعکس نماز کے) وہاں حاظر بھی نہ ہو کیا یہ معاملہ نماز سے بھی اہم ہے جو ان سے مخفی ان شاء اللہ نہ رہتا، یا العجب وضیۃ الادب۔

(٦) :۔۔۔۔ اسی سلسلہ میں علامہ صاحب آخر میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اذکار وغیرہ کا اندازہ مقرر کرنا بھی بدعات میں سے ہے حالانکہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے یہ صحابیہ رضی اللہ عنہا کنکریوں وغیرہ پر کچھ اذکار پڑھ رہی تھی ظاہر ہے کہ یہ خود ایک اندازہ مقرر کیا ہوگا، پھر کیا آپ نے ان پر اذکار نہیں کیا اور ان پر پڑھنے سے منع کیوں نہیں فرمایا۔

علاوہ ازیں بالکل صحیح روایت میں وارد ہے صحابی رسول جس نے ڈسے ہوئے آدمی پر سورت فاتحہ کا دم کیا تھا آپ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا کہ میں نے سات بار سورت فاتحہ پڑھ کر دم کیا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کس نے کہا کہ سورت فاتحہ رقیہ ہے تو اس نے کہا کہ (شی القی فی روحی) جس پر آپ ﷺ نے کوئی انکار نہیں کیا۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ اگر انسان کے دل میں یہ بات آجائے کہ کس طرح فلاں سورت میرے درد مرض کےلیے مفید ثابت ہو سکتی ہے تو بلاشبہ پڑھ سکتا ہے اور دل میں آیا ہوا اندازہ بھی قبول کر سکتا ہے کیونکہ آپ نے جس طرح فاتحہ کو رقیہ سمجھ کر دم کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ کے فعل کو بحال رکھا اسی طرح ان کے درست اندازے کو بھی برقرار رکھا اور آپ ﷺ کا سکوت (غیر نفی) بھی حجت شرعیہ ہے بہر کیف اس طرح کے دوسرے ثبوت تتبع کرنے سے مل جائیں گے جن سے معلوم ہوگا کہ اپنی آسانی یا مصروفیت یا کسی بھی سبب اندازا کیا ہوا وردیا ذکر یا کسی قرآنی سورت کا اندازہ قدر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ لہذا اس کو بدعت کہنا میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔

(٧) :۔۔۔۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح (یعنی تسبیح کو مستعمل کرنے سے) انگلیوں پر گننے والی سنت متروک ہو جاتی ہے حالانکہ اس طرح قطعا نہیں ہے ہم سارے ہر وقت، ہر نماز کے بعد دوسرے اوقات میں انگلیوں پر بھی پڑھتے ہیں اور اس کے ساتھ تسبیح کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ باقی علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ اندازہ ایک سو تک ثابت ہے زیادہ نہیں اس لیے وہ انگلیوں پر آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس لیے ایک سو کے اندازے تک محدود ہونے کے ثبوت کا قائل ہونا بھی اگرچہ ایک سو کے اندازہ پر بولا جاتا ہے تو یہ ایک ہاتھ سے قطعا ادا نہیں ہو سکتی بلکہ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے مدد لینی پڑے گی۔

حالانکہ علامہ صاحب اسی مضمون میں ایک صحیح حدیث بھی ابوداود سے ذکر کی ہے جو کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ہے کہ

((رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض التسبیح بیمینہ)) سنن ابی داود کتاب الوتر، باب التسبیح بالحصی، رقم الحدیث :١٥٠٢.

پھر اگر دوسرے ہاتھ سے مدد لی جائے گی تو علامہ صاحب کے طریقہ کے مطابق دائیں ہاتھ والی سنت متروک ہو جائے گی یا اگر صرف دائیں ہاتھ پر اکتفا کیا جاتا ہے تو ایک سو پڑھی نہیں جاسکے گی اس سو کو کس طرح پورا کریں۔ رہی یہ بات کہ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ تسبیح کے عادی لوگ ساتھ باتیں بھی کرتے رہتے ہیں تو یہ جس کی عادت ہے ہی جانے اس کا کام جانے پوری دنیا کو ایک ہی (لاٹھی) عصا سے مت ہانکو ایسے بے خیالے لوگ تو انگلیوں کو ہلاتے ہوئے بھی باتیں کرتے رہتے ہیں تو کیا ایسے لوگوں کو دیکھ کر انگلیوں پر تسبیح پڑھنا بھی چھوڑ دیں۔

احادیث میں درود شریف کو کثرت کے ساتھ پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہے پھر اگر کائی آدمی دن یا رات میں کوئی وقت مقرر کرتا ہے مثلا ایک ہزار یا سے زائدہ جتنی یسر وقت کی تقاضا ہے یا وہ اپنی آسانی خاطر اندازہ مقرر کرتا ہے اور روزانہ مقررہ صلوۃ وسلام

پڑھتا ہے تو آخر وہ تسبیح کے بغیر کس طرح اندازہ مقرر کر سکتا ہے۔

بہر حال تسبیح کو بدعت قرار دینا دلائل کے مطابق صحیح نہیں ہے ہاں اگر کوئی اس کو فرض واجب یا سنت سمجھ کر کام کرتا ہے تو یقینا وہ مذموم کام کرتا ہے لیکن اگر کوئی صرف گننے کےلیے کام میں لاتا ہے تو اس میں کون سی قباحت ہے۔ آگے اس سلسلہ میں وسائل وذرائع کی بدعت اور مباح ہونے کی بحث شروع کر رہا ہوں۔

یہاں پر ایک اصولی بحث کو چھیڑنا نہایت ہی موزوں ومناسب ہوگا کہ آیا وسائل وذرائع اگر کسی ثابت شد شرعی امر کےلیے اختیار کیئے جائیں تو کیا ان کے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بھی قرآن وحدیث میں نص وارد ہوں۔ یا ان وسائل کا قرآن وحدیث میں نص ہونا ضروری نہیں ہے؟ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس وسیلہ یا ذریعہ کے بارے میں کتاب وسنت میں منع وارد ہو۔ میرے خیال میں دوسرا قول ہی صحیح ہے۔

یعنی شرعی امور کے اختیار کےلیے وسائل کا ثبوت کتاب وسنت میں نص وارد ہونا ضروری نہیں ہے۔ ذیل میں چند مثالیں رکھتا ہوں جو تمام امت محمدیہ میں رائج ہیں۔ حالانکہ ان کا ثبوت بطور کتاب وسنت میں نہیں ہے، مقلد، غیر مقلد، اصحاب الحدیث، اصحاب الرائے نے ان کے متبادل وسائل عمل میں لائے ہیں مگر کوئی بھی ان کو بدعت قرار نہیں دیتا۔ مگر سبب صرف یہ ہے کہ یہ وسائل ہیں وذرائع زمانہ کے موافق تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

(1) :...... کتاب وسنت کی تعلیم کا ثبوت ملتا ہے مگر موجودہ ہیئت میں مدارس کے قیام کا ثبوت نہیں مل سکتا۔ حالانکہ مدارس کی جو حیثیت ہے وہ ہر کسی کو معلوم ہے یہی وجہ ہے مسلمان ان اداروں کو (فی سبیل اللہ) کی مد میں شامل سمجھ کر، خیرات، صدقات، زکوۃ وغیرہ کے ساتھ مدد کرتے رہتے ہیں پھر کیوں نہ ان کو بدعت قرار دیا جائے؟ یا تو ان کا خصوصی ثبوت کتاب وسنت سے پیش کیا جاتا تو ان کو کتاب وسنت تک پہنچنے کے ذرائع میں شامل کیا جائے کیوں کہ کتاب وسنت تک پہنچنا تمام مسلمانوں پر لازم ہے کیوں کہ یہی ادارے دینی سرچشمہ تک پہنچنے کے ذرائع ہیں لہذا ان کو صحیح کہا جائے گا نہ بدعت اگرچہ موجودہ ہیئت خیر القرون تک زمانے میں ان کا وجود ہی نہیں تھا۔

(٢) :...... اصول حدیث ومتعلقاتہا فن الرجال العلل والتاریخ وغیرہا تماما اصولوں کے ثبوت (یعنی جو حدیث شریف کی صحت وسقم صحیح وضعیف موضوع وغیرہا کے متعلق وضع کیئے گئے ہیں وہ سارے بعد میں محدثین کرام نے

وضع کیے ہیں) قرآن وحدیث میں نہیں ہیں لیکن پوری امت ان اصولوں کو صحیح مانتی ہے اور حدیث کے متعلق ان کو تصور کرتی ہے پھر کیوں نہیں ان کو بدعت قرار دیا جاتا۔ خود علامہ البانی صاحب ان اصولوں سے جا بجا کام لیتے رہتے ہیں۔

حالانکہ اول تو ان پر لازم ہے کہ اپنے طریقہ کے مطابق ان کا ثبوت قرآن وسنت سے پیش کریں پھر ان کا استعمال کریں مگر ہمارے ہاں تو وہ بدعات ہرگز نہیں ہیں بلکہ

اللہ تعالی کے ہاں قرب کے ذرائع ہیں کیونکہ ان ہی کی وجہ سے ہم جناب رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ اور ان کی اسوہ حسنہ تک علی وجہ البصیرہ پہنچ سکتے ہیں اور ان ہی کی وجہ سے آپ ﷺ پر جھوٹ اور افتراء سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ وضاعین اور مبتدعین کا مکر وفریب پاش پاش ہو جاتا ہے، بہر حال چونکہ ذرائع دین خالص تک پہنچنے کے وسائل ہیں لہذا ہمارے ہاں وہ دین ہیں نہ کہ بدعت کیونکہ دین تک پہنچانے والا ذریعہ بھی دین ہے اگرچہ مخصوص علیہ نہ ہو۔

(۳) :...... علم النحو والصرف وغیرہا من العلوم :

یہ علوم بھی مدارس میں پرھائے جاتے ہیں حالانکہ یہ علوم بھی محدث (نئے) ہیں۔

کتاب وسنت میں کہاں ہے کہ کتاب وسنت کے حصول کے لیے نحو وصرف پڑھو؟ پھر ان کو دینی مدارس میں کیوں پڑھایا جاتا ہے؟ جب کہ ان ہی اداروں پر باقی صدقات وخیرات تو چھوڑ زکوۃ بھی صرف کی جاتی ہے۔ کیا یہ جائز ہوگا کہ ایک بدعت پر زکوۃ کا پیسہ خرچ کیا جائے۔ اگر کہا جائے کہ یہ علوم بھی کتاب وسنت کو سمجھنے کے ذرائع ہیں جن کے بغیر ان کو نہیں سمجھ سکتے تو پھر ذرائع کے مخصوص ہونے کا قول بالکل فضول ہے۔ کیا اللہ تعالی یا اس کے رسول ﷺ کو پتہ نہیں تھا کہ عرب کے علاوہ عجمی لوگ بھی اسلام پر آئیں گے جن کی عربی زبان نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کے سرچشمہ تک پہنچنے کے لیے بہر حال کچھ ذرائع کی ضرورت پڑے گی۔ پھر کیوں نہیں اللہ تعالی نے اس کے پیغمبر ﷺ نے ان کی طرف رہنمائی فرمائی۔

حالانکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں : وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ان حضرات کے خیال کے مطابق لازمی تھا کہ اس کی طرف کوئی اشارہ کر دیا جاتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان علموں کی طرف تصریح تو کیا اشارہ بھی نہیں ہے۔ لیکن ہمارے لیے کوئی مشکلات نہیں ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کو پتہ تھا کہ انسان کو یہ ضروریات پیش آئیں گی اور یہ بھی پتہ تھا کہ وہ وسائل وذرائع زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں گے اور اللہ تعالی نے انسان میں ایسا مادہ یا ایسی قدرت رکھی ہے کہ وہ بوقت ضرورت کسی چیز کے حصول کے لیے وسائل بھی تلاش کر لیتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، لہذا ایسا زمانہ ہی نہیں آیا ہے کہ انسان کو کوئی ضرورت پیش ہوئی ہو وہ اس کے حصول کے لیے وسائل ڈھونڈنے میں ناکام رہا ہو۔ لہذا اللہ تعالی نے ہمیں کتاب وسنت کے ساتھ چمٹ جانے کا حکم فرمایا ہے۔ باقی ان تک پہنچنے کے وسائل کے بارے میں بھی علم تھا کہ جب ان کو ضرورت پڑے گی تو انسان خود ان وسائل کو تلاش کرے گا اور وقت کے موافق اس کی تقاضا کو پورا کر سکے گا۔ لہذا ان وسائل کے لیے نص کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی یہ چیز انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ ضروری وسائل کو خود بخود حاصل کر لیتا ہے۔

اور میری سمجھ کے مطابق یہ حقائق بھی۔ وَعَلَّمَ ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا اور إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ میں دداخل ہیں۔ یعنی اللہ تعالی نے انسان کو ازل سے ہی یہ علم دے دیا تھا کہ جب بھی اس کو کوئی ضرورت پیش آئے تو اس کے حصول کے لیے کس طرح راستہ ڈھونڈے ''فتدبروا وتفکروا'' کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ علم النحو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے لہذا بموجب فرمان :

((علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین))

یہ علم بھی بدعت نہیں ہوا۔ اول تو اس کا ثبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صریحا ملنا بہت مشکل ہے اگرچہ نحو کی کتابوں میں اس علم کی تاریخ کرتے ہوئے یہ اقوال نقل کئے جاتے ہیں مگر ان کی سند کا ملنا نہایت مشکل ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی حضرات یہ بات کہتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جمعہ کے دن کی پہلی اذان کو بدعت کہتے ہیں کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے نہیں تھے؟

اور اس سے بڑھ کر یہ بات کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل تمام کتب احادیث میں باسند موجود ہے اور خود صحیح بخاری میں اس روایت کے آخر میں ''وثبت الامر علی ذالک '' کے الفاظ موجود ہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل پورے عالم اسلام میں متفقہ طور پر ثابت رہا اور سبھی اس پر عامل بھی رہے، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے بھی کسی نے اس کام کو نہ بند کیا اور نہ ہی اس کو تبدیل کیا تو دیکھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا کتنا اتفاق ہے خلفائے راشدین میں سے ایک جلیل القدر صحابی ذوالنورین ذوالحرمین عشرہ بمشرہ میں سے ایک اگر کوئی کام کرتا ہے تو صحابہ اور عالم اسلام اس پر متفق ہے لیکن آج کل یہ مفتی اس پر فتوی جاری کرتے ہیں کہ یہ کام بدعت ہے۔

پھر علم النحو کو اگر تسلیم کیا جائے گا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے تو وہ کس طرح بدعت سے بچ سکتا ہے کیا دونوں میں تمہیں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا ایسے لوگوں کو سمجھانا مشکل بلکہ محال ہے۔ کچھ حضرات یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ علم النحو وغیرہ جیسے علوم صرف عربی زبان سیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے یہ (فی امرنا) میں داخل نہیں ہیں لہذا بدعت نہیں کہلائیں گے۔ ان لوگوں کے لیے یہ مثال ہے کہ اگر اس طرح ہے تو پھر ان کو مدارس میں کیوں پڑھایا جاتا ہے؟ محض کسی زبان کے سیکھنے کے لیے اس کی ضرورت تھی تو پھر اسکولز اور کالجز میں اس کو پڑھایا جاتا جس طرح پاکستان یا دوسرے یورپی ممالک میں کچھ عربی پڑھائی جاتیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کو مذہبی زبان سمجھ کر نہیں پرھاتے بلکہ وہ اس زبان کو سیکھنے اور سمجھنے کے طور پر پڑھاتے ہیں کہ یہ ایک عالمگیر زبان ہے دنیا والوں کے کتنے ہی کام اس سے وابستہ ہیں۔ لہذا وہ محض دنیاوی امور کی خاطر اس زبان کی تعلیم دیتے ہیں۔ لہذا ہم پاکستانیوں کو دینی مدارس میں اس زبان کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ محض دنیاوی نقطہ نظر سے ہمارے لیے عربی سے زیادہ انگریزی زبان سیکھنے کی ضرورت ہے جو دفتری زبان ہونے کے ساتھ ساتھ حکومت کا پورا کاروبار اسی زبان میں ہے۔ پھر کیوں ہم اس طرح آٹھ سال مدارس میں ایسے علوم کے حصول کے لیے فضول ضائع کریں جب کہ ہماری دنیاوی ضرورتیں اس سے وابستہ بھی نہیں ہیں، حالانکہ ہم سب ان علوم کو حاصل کرنے میں ثواب سمجھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تقرب کا ذریعہ اور ان کی خوشنودی تصور کرتے ہیں کیونکہ یہ علوم ہمیں کتاب وسنت تک پہنچاتے ہیں۔

یہی سبب ہے کہ پوری امت ان مدارس پر صدقات وخیرات کی بارش برساتی رہتی ہے اگر ان امداد کرنے والوں کو یہ بتایا جائے کہ یہاں پر جو کچھ ہم پڑھاتے ہیں وہ محض زبان دانی کے لیے ہے دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر کوئی ایک دانہ دینے

کے لیے بھی تیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ان کو اپنی امداد سے ثواب کی کوئی امید باقی نہیں رہتی باقی فضول پیسہ کا زیاں کوئی دیوانہ ہی کر سکتا ہے۔ صاحب عقل اور حواس قائم رکھنے والا کبھی بھی یہ کام نہیں کرے گا بلکہ کہے گا کہ اس سے تو بہتر ہے اسکول وکالج میں دوں تا کہ کم از کم میری مشہوری تو ہو یا حکومت سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟

بہرحال یہ علوم اس دین ہی کی خاطر پڑھائے جاتے ہیں اور دین ہی کی خاطر ان کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور اسی لیے ہم مدارس کو قائم رکھنے کے لیے اپنی طاقت کے مطابق کوئی کسر نہیں چھوڑتے بہرحال مختصر کلام یہ کہ علوم ان لوگوں کے ہاں ضرورت کی بنا پر یا وسائل کی بنا پر بدعت نہیں ہیں بلکہ ضروری ہیں۔

(٤) : ......لاوڈ اسپیکر کو اس وقت مقلد خواہ غیر مقلد سارے اپنی مساجد میں اذان و نماز اور اجتماعات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ اسی آلہ کی بنا پر آپ ﷺ کے زمانے کی ایک سنت متروک ہو چکی ہے کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے میں موذن اوپر چڑھ کر اذان دیتا تھا یہی سبب ہے کہ صحیح حدیث میں ابن ام مکتوم اور بلال رضی اللہ عنہما کی اذان کے متعلق اس طرح ہے کہ :

((وما کان بین اذان ھما منھم الا ان یرقی ہذا و ینزل ہذا)) (او کما قال مسند احمد)

یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اذان اوپر چڑھ کر دی جاتی تھی، اس لیے عالم اسلام میں اذان کے لیے (اونچی جگہ) بنائی جاتی تھی مگر آج کل چند جگہوں کے علاوہ ہر مسجد میں اسپیکر کے سامنے اذان دی جاتی ہے۔ لیکن اس پر تو علامہ صاحب بھی اعتراض نہیں اٹھاتا کہ اس کام کی وجہ سے مبارک زمانہ کی سنت متروک ہو گئی ہے۔ لہذا یہ بدعت ہے تسبیح کے لیے تو فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے سیدھے ہاتھ پر پڑھنے والی سنت متروک ہو جائے گی لیکن حقیقت قطعاً ایسے نہیں ہے۔ بلکہ تسبیح پر پڑھنے والے بھی کافی ذکر اذکار ہاتھوں کی انگلیوں پر بھی پڑھتے ہیں لیکن زیادہ وظائف پڑھتے وقت تسبیح کو استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ سنت بالکلیہ متروک نہیں ہوئی۔

لیکن آلہ مکبر الصوت نے تو اس مشہور سنت کا بالکل خاتمہ کر دیا ہے، پھر اس کے خلاف کیوں آواز نہیں اٹھائی جاتی۔ اسی طرح تبلیغی اجتماعات کو بھی دینی حیثیت حاصل ہے اس میں آلہ مکبر الصوت کو استعمال میں نہیں لانا چاہیئے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر اتنے صحابہ تھے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق ذوالحلیفہ میں جب آپ نے دیکھا تو لوگ ہی لوگ نظر آئے لوگوں کے اتنے جم غفیر کو آپ نے وعظ و نصیحت بھی کیا اور اس کے سننے کا کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کیا ہو گا اور ظاہر ہے اس وقت آپ ﷺ کے اتنے صحابہ ہوں گے کہ جتنے ہمارے آج کل کے اجتماعات میں قطعاً نہیں ہوتے ہوں گے۔

مگر آپ ﷺ نے آلہ مکبر الصوت استعمال نہیں کیا۔ پھر کیا ہم بھی ایسے موقع پر وہ طریقہ اختیار کریں۔ ۔ خواہ مخواہ لاوڈ اسپیکر کی بدعت کو اختیار کر رہے ہیں۔

کیا تبلیغی اجتماعات دنیاوی امور ہیں؟ اگر ہیں تو ان میں کون ایسا ہے جو یہ کہے کہ اس سے آپ ﷺ کی وہ سنت متروک ہو گئی۔ ہم یہ منطق سمجھنے سے قاصر ہیں۔

(٥) : ......نماز اور اذان کے ٹائم کے لیے چھوٹی بڑی گھڑیاں استعمال کی جاتی ہیں، پھر ان گھڑیوں کے ٹائم پر ہی نمازوں وغیرہ کے اوقات تبدیل کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ آ ﷺ کے زمانہ میں تو دو سایوں اور طلوع آفتاب وغروب آفتاب اور غروب شفق سے کام لیا جاتا تھا پھر سوچیں کے ان مصنوعی چیزوں نے آپ ﷺ سنت پر جگہ نہیں لے لی ہے؟ اہلحدیث وغیر اہلحدیث سارے کے سارے گھڑیوں کو دیکھتے ہیں اور اذانیں دیتے ہیں اور سایہ وغیرہ کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا مگر اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کی سنت متروک ہو گئی ہے۔

لہذا ان کو بھی بدعت کہا جائے لیکن کیا کریں یہ چیزیں ان کے خیالات اور دل سے مناسبت رکھتی ہیں، اس لیے بدعت نہیں باقی جو چیز ان کے خیالات کے موافق نہیں ہو گی وہ ایک دم بدعت کی بدگوئی کا شکار ہو جائے گی کچھ دوست کہتے ہیں کہ یہ لاوڈ اسپیکر اور گھڑیاں وغیرہ دنیاوی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ جناب عالی! ان چیزوں کو بیشک آپ رکھیں ان سے مددلیں بے دھڑک ان کو اپنی استعمال میں لائیں مگر دنیاوی امور میں۔ لیکن دینی امور میں اور دینی کاموں میں ان کو استعمال میں کیوں لاتے ہو۔ خصوصا اس صورت میں جب وہ سنت کے متبادل کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں اور وہ سنتیں ان کی وجہ سے متروک ہو رہی ہیں۔ لہذ آپ کے اصول اور طریقہ کے مطابق یہ بدعت ہیں لیکن تمہارے پاس سوائے تکلف وتعصب علمی یا سینہ زوری کے اور کوئی جواب نہیں ہے۔ ورنہ اگر تسبیح کے ساتھ کوئی آدمی دنیاوی باتیں مثلا رقوم وغیرہ کی گنتی کرتا تو آپ بھی اس کو بدعت نہ کہتے اور آپ اس کو بدعت اس لیے کہتے ہیں کہ ہم اس کے ذریعے ذکر واذکار کرتے ہیں جن کا دین سے تعلق ہے آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ اسکولوں اور اسٹیشنری کی دکانوں پر بچوں کے پہاڑے یاد کرانے کے لیے (سلیٹین) ہوتی ہیں جن میں لوہے کی میخوں کے اندر منکے پروئے ہوتے ہیں جن پر بچوں کو پہاڑے یاد کرائے جاتے ہیں کیا یہ بھی بدعت ہے! ہرگز نہیں یعنی مقصد یہ ہوا کہ تسبیح کے منکو کو کوئی اگر اس طرح او ستعمال میں لائے تو یہ بدعت نہیں ہو گی۔

بلکہ بدعت قرار دینے والوں کے ہاں بدعت تب ہو گی جب اس سے وظائف واذکار شمار کیے جائیں۔ لہذا اگر ان کے اصول کے مطابق لاوڈ اسپیکر وغیرہ کو اگر دینی کاموں میں لایا جائے تو یہ بدعت ہوں گے اور ان کو لامحالہ بدعت کہا جائے گا۔ بہرحال اس قسم کی کئی اور بھی مثالیں پش کی جاسکتی ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ سنت کی جگہ متبادل چیزیں لائی گئی ہیں مگر اس وقت یہ حضرات خاموش رہیں گے ہم تو اس بات کو کوئی خاص وزن اس لیے نہیں دیتے کہ یہ وسائل کے باب سے ہیں۔ اور وسائل کے باب میں شریعت نے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

کیونکہ یہ زمانے کے انقلابات اور تبدیلیوں کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں۔ ہاں ان وسائل میں سے کسی وسیلے کے متعلق منع و نہی مخصوص ہے تو پھر تو قصہ ہی ختم! ورنہ وسائل میں تنگی کرنا صحیح نہیں ہے مگر جو لوگ وسائل کے متعلق بھی اتنے تنگ ظرف ہیں کہ ان کے متعلق بھی نص صریح کے مطالبہ کے لیے مقید ہیں ان کے ہاں یہ امور اور اس طرح کے دوسرے وسائل وذرائع زبردست باعث اعتراض ہیں اور ان کے ہاں اس کا کوئی جواب بھی نہیں ہے۔ ہم تسبیح کو کوئی فرض یا واجب یا سنت یا لازم نہیں کہتے۔ ہاں اس کو گننے کا ایک ذریعہ یا وسیلہ شمار کرتے ہیں۔

لہذا اس وجہ سے یہ ذرائع مباحات کے اصول کے ماتحت ہیں؟ چونکہ اذکار گننے کے ذرائع ہیں لہذا ان کو مباح بھی کہا جائے تو کیوں نہیں! اور اس کے ساتھ سنت بھی متروک نہیں ہے۔ لہذا اس کو بدعت کہنا تعصب کا مظاہرہ ہے۔ باقی علمی دلائل تو یہ حضرات آج تک قائم نہیں کرسکے ہیں۔

علامہ صاحب اپنی کتاب میں "کتاب البدع والنہی عنہا" کا حوالہ دیا ہے وہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے اس کے اندر میں نے خود دیکھا ہے کہ تسبیح وغیرہ کے ساتھ اذکار پڑھنے کی ممانعت یا اس کی بدعت کے بارے میں جو دو روایتیں یا آثار پیش کئے گئے ہیں (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آثار) وہ سب کے سب سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ ان میں کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ دونوں ضعیف ہیں مگر علامہ صاحب فرماتے ہیں (جس طرح اوپر گزرا) کہ اگر ان کا اقرار صحیح ہوتا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مخفی نہ رہتا۔ یا للعجب

جب کوئی اثر ان سے صحیح سند کے ساتھ ہے ہی نہیں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر ہمارے ہاں ہماری تحقیق کے مطابق امام ترمذی کی روایت حسن لغیرہ نہیں ہے، پھر بھی ایک روایت مستدرک حاکم میں ہے وہ صحیح ہے۔ (کما مر مفصلا) لہذا ہمارے پاس تو کم از کم ایک ثبوت تو ہے لیکن علامہ صاحب کی دعوی کے لیے تو کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اللہ فرماتے ہیں :

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدة:٨)

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ راشدیہ

صفحہ نمبر 297

محدث فتویٰ